غزل

از جناب الحمد خاں گوہری

یوں بھی شوقِ سفر کرتا رہا گر رہبری میری ۔ تو لے جاتی مجھے کو تا بمنزل خود روی میری
بجا سمجھے ہوئے ہیں اہلِ دنیا خامشی میری ۔ وہ ہے در پردۂ غم اک فغانِ بیکسی میری
لگا کر مونھ سے غم اس واسطے پیتا نہیں ساقی ۔ بڑھا دی ہے تری صہبا طلب نے تشنگی میری
وہ ہیں واقف زبانِ رنگ و بو کو جو سمجھتے ہیں ۔ مثالِ گل کیا کرتی ہے باتیں خامشی میری
تلاش و جستجو کی لذتیں اب یاد آتی ہیں ۔ میرے حق میں زوال ثابت ہوئی منزل رسی میری
یہ ماہ و مہر مجھ سے اکتسابِ نور کرتے ہیں ۔ زمیں سے تا فلک پھیلی ہوئی ہے روشنی میری
بتائے میر دیوانِ جزا یہ راز سمجھا دے ۔ نئی اک زندگی کیوں بن گئی ہے زندگی میری
شگفتہ فصل رہتی ہے گلوں کا رنگ مجھ سے ہے ۔ گل افشانی کیا کرتی ہے طرزِ نغمگی میری
مجھے کیا واسطہ منصور کی تقلیدِ بیجا سے ۔ سرِ دار آ گئی لے کر مجھے وارفتگی میری
حجابِ بلبل و گل میں تماشائے چمن بن کر ۔ کہیں ہے گفتگو میری کہیں ہے خامشی میری
برنگِ ماہِ نو بڑھتا رہوں آہستہ آہستہ ۔ کسی دن بدرِ کامل بن ہی جائے گی کمی میری
سنور جائے گی دنیا انقلاباتِ محبت سے ۔ فغاں جس دن بھی اٹھ کر دل سے غالب آ گئی میری

الٰہی ہمراز کا ہونا نہیں اچھا محبت میں
کم ہوتی جا رہی ہے دل کی بھی دلبستگی میری

مسعود حسین نیّر

جو ان کے زخم خوردوں میں شامل نہیں رہا ۔ وہ پھر کسی مقام کے قابل نہیں رہا
بزمِ نشاط و عیش کے قابل نہیں رہا ۔ جس دل سے زندگی تھی وہی دل نہیں رہا
ان سے امیدِ قدرِ وفا کی، فضول ہے ۔ جن کو شعورِ ناقص و کامل نہیں رہا
جوشِ بہار تھا کہ رہائی کی تھی نوید ۔ مجنوں کوئی اسیرِ سلاسل نہیں رہا
جنبشِ مژہ پہ قیامت کی بازپرس ۔ میں کب تری نظر کا مقابل نہیں رہا
مرکز جو دل کبھی تھا کسی کی نگاہ کا ۔ اب وہ جہانِ عشق کے قابل نہیں رہا
دل ہو گیا ہے حسرت و ارماں سے بے نیاز ۔ اب کوئی مرحلہ بھی تو مشکل نہیں رہا
رہزن حرم نے لوٹ لیا اس غریب کو ۔ جسے نیازِ جادۂ منزل نہیں رہا

وابستہ دل کے ساتھ تھی اپنی خوشی نیّر
دل کیا گیا کہ زیست کا حاصل نہیں رہا